عطاشاد کی اردو شاعری کا ایک جائزہ

An Overview of Atta Shad Urdu Poetry

ڈاکٹر زاھد حسین دشتی
شعبہ بلوچی، جامعہ بلوچستان، کوئٹہ
ڈاکٹر شازیہ جعفر
اسسٹنٹ پروفیسر، پاکستان اسٹڈی سنٹر، یونیورسٹی آف بلوچستان، کوئٹہ
دردانہ
اسسٹنٹ پروفیسر، تاریخ، گورنمنٹ ڈگری گرلز کالج، سیٹلائٹ ٹاوں، کوئٹہ

Abstract:

Poetic art in Urdu seems to be stunned in Balochistan as the multilingual environment of the province is completely overflowing with the poetic creation of the native languages. Amid such circumstances, Atta Shad proved to be the shining star in Urdu poetry as he introduced new trends in it. His mastery in the field of lexical choice is pretty enough to prove himself as a real morphologist. He lines are the reflection of nature, its beauty and Ata Shad's close association with natural object which can best be observed in Balochistan. A point worth mentioning about Ata Shad's poetic qualities is that his work is a window through which one can peep into Balochistan. The present study presents a true picture of Atta Shad's personality and his poetic works while at a time exploring the effects of poetic power on his personality. The study is likely to pave way for future researchers to explore Ata Shad as a person and a poet in the same shell.

Keywords: Atta Shad, Poetry, Urdu Language, Balochistan, Literature, Life, Art, Gazal, Poem, Structure

کلیدی الفاظ: عطاشاد، شاعری، اردو، زبان، بلوچستان، ادب، زندگی، فن، سرزمین، غزل، نظم، ترکیب

بلوچستان کا اعزاز یہ ہے کہ ہزاروں سالہ قدیم انسانی آبادی کا مرکز۔ اگر ماضی کے تناظر میں موجودہ حال میں بلوچستان کا تاریخی، ثقافتی اور معاشی تجزیہ کرکے مستقبل میں اس خطے کو دیکھا جائے تو اگر اس کے رکھوالے بالخصوص سیاسی قیادت اور ادبی شخصیات کی بہتر رہنمائی اور قابل قدر حوصلہ افزائی کی وجہ سے بلوچستان بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس سرزمین سے محبت کرنے والی شخصیات کی جہاں ایک طویل فہرست ہے وہاں اس کے ہزاروں برس کے تاریخ میں مختلف شخصیات نے انتہائی نامساعد حالات کے باوجود ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اپنے شعبوں میں نام کمایا۔ انہی شخصیات میں ایک عطاشاد تھے جن کی شاعری اور دیگر ادبی تحریریں ہمارے پاس بطور امانت اور بحیثیت ایک قیمتی خزانے کے محفوظ ہیں انہیں فرد کہنا نامناسب ہو گا کیونکہ وہ ایک ادارے کی حیثیت رکھتے تھے۔

عطاشاد.....جی عطاشاد بلوچستان کے جدید شعراء میں وہ نام ہے جنہوں نے بلوچی اور اردو شاعری میں اہم مقام حاصل کیا۔ ان کی شاعری میں جہاں بلوچستان کا فطرتی حسن، یہاں کے لوگوں کے مزاج، خصوصیات اور خاص طور پر محبوب کے حسن، ادا اور میخانے کو اپنی شاعری کے ذریعے امر کر دیا ہے۔ یوں تو عطاشاد کی شاعری کا مطلب بلوچستان.... اور بلوچستان کو کسی ایک تحریر میں بیان کرنا انتہائی ناممکن ہے۔

> ”عطاشاد ہمارے معاصرین میں سب سے خوش قسمت شاعر رہے ہیں کہ ان کو ان کلاسیکی شعراء کے کلام میں دسترس اور عبور حاصل رہا ہے۔ اس نے جب بھی کلاسیکی شاعری کی رسی کو مضبوطی سے تھاما تو اس کی شاعری میں وہی رنگ، وہی جذبہ، وہی حدت، وہی وجدان اور وہی سپردگی نمایاں رہی اور فن کی رفعتوں میں وہ اپنا ثانی آپ رہا ہے۔ چاہے یہ اردو شاعری ہو یا بلوچی۔ عطاشاد کی شاعری کے ارتقاء اور اس کی سوچ کے تدریجی مدارج کو اجاگر کرنے کے لئے ہمیں اس کی بلوچی منظومات کا بغور جائزہ لینا ہو گا۔“(1)

دنیا میں لوگ آتے ہیں اور اپنا وقت پورا کرکے چلے جاتے ہیں۔ ان لوگوں میں وہی کسی نہ کسی حوالے سے زندہ رہتے ہیں جنہوں نے اپنے معاشرے کے لئے رہنمائی یا شعور پیدا کرنے کا کام کیا۔ ایسے افراد کو ان کے اس فن و تخلیق کی وجہ سے کوئی بھی کسی بھی زمانے میں بھول نہیں سکتا۔

فنکار،شاعر اور لکھاری کسی بھی معاشرے میں سب سے حساس طبقہ خیال کیا جاتا ہے۔ یہی وہ طبقہ ہے جو معاشرے کے زہریلے، میٹھے اثر کو محسوس کرکے اُس کو اپنے کردار، اشعار اور تحریروں کے ذریعے سامنے لاتا ہے۔

"عطاشاد بنیادی طور پر اردو اور بلوچی زبان کے شاعر ہیں۔ لیکن انہوں نے اردو ادب میں مختلف اصناف میں بہت خوبصورت شہہ پارے تحریر کئے ہیں۔ ریڈیو کے لئے جن ادیبوں نے ملک گیر سطح پر اپنے اردو ڈراموں کی وجہ سے شہرت اور مقبولیت حاصل کی ان میں عطاشا کا نام بڑا اہم اور معتبر ہے۔ ریڈیو کی دنیا میں وہ بے حد مقبول، معروف اور انتہائی پسندیدہ شاعر اور شخصیت رہے۔ عطاشاد کی شاعری، ادب دوستی اوران کی محبت بہت یاد آتی ہے۔ میں نے بطور پروڈیوسر ریڈیو پاکستان جوائن کیا تو انہیں اپنے بہت سے ادبی پروگراموں میں مدعو کیا۔ وہ وقت سے پہلے ریڈیو تشریف لاتے تھے۔ انہیں وقت کا احساس تھا۔ کیونکہ وہ خود بھی ریڈیو پروڈیوسر رہ چکے تھے۔ ان کے ریکارڈ کئے ہوئے نغمے اور ڈرامے آج بھی ریڈیو امیں محفوظ ہیں اور جب کبھی ٹی وی پر میرے تحریر کردہ ڈرامے یا میری پرفارمنس دیکھتے تو اگلے دن صبح صبح ریڈیو آتے میرے اور ڈرامے پر تنقید کرتے یا تعریف کرتے اور کچھ مفید مشورے دے کر چلے جاتے۔ میں اُن کی محبت کو کبھی بھول نہیں سکتا۔ انہوں نے انتھک محنت سے اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ وہ خوبصورت سوچ کے مالک تھے۔ ان کو اپنی زمین سے بہت لگاؤ تھا۔"(2)

بلوچستان کی غربت و لاچارگی کا عندیہ عطاشاد کی شاعری میں گاھے بہ گاھے مل جاتا ہے۔ بلوچستانی ادب اور شاعری کا حوالہ دیا جائے گا تو اُن حوالوں میں سب سے اول حوالہ عطاشاد ٹھہرتے ہیں۔ اور بعض اوقات کسی شاعر کے صرف چند مصرعے ہی نہ صرف اُس کی پہچان بن جاتے ہیں بلکہ اُن کا خطہ بھی جانا جاتا ہے۔ جب درج ذیل اشعار کو کہیں پڑھا جائے گا یا بلوچستان کی مہمان نوازی، پیار اور محبت اور وفا کی پہچان عطاشاد کے یہ نظم ہے۔

میرے زمین پر

ایک کٹورے پانی کی قیمت

سو سال وفا

آؤ اپنی پیاس بجھائیں

زندگیوں کا سودا کرلیں(3)

نامور ادیب اور شاعر وحید زہیر اپنے ھم عصر عطاشاد کے حوالے سے جو تحریر سامنے لائے ہیں۔اُن میں اُن کی عطاشاد سے قربت، دوستی اور سیکھنے کا جابجاذ کر ملتا ہے۔"عطاشاد کا دعائیہ انداز، دعائیہ اعجاز" کے عنوان سے ایک طویل تحریر شائع ہوچکی ہے۔ جسکا ایک پیراگراف آپ کی نظر:۔

"سخت اور بنجر زمین پر سبزہ نہیں اُگتا، سخت دلوں پر محبت کے پھول نہیں اُگتے اور یہ کہنا بھی بجا ہو گا بے ترتیب معاشروں کے باترتیب فنکار وقت سے پہلے روٹھ جاتے ہیں اور یہ بات ابھی یقینی ہے کہ بے ہنگم شعر موسیقی میں عطاء کے خوش جسم لوگوں کا بے لباس ہونا فطری عمل ہے۔عطانرم خُواجسام کے لئے برف نما کپاس کے پھول چننے اور محبت کے آرام بردہ کمبل بننے والے فنکار تھے۔عطاشاد کی شاعری نرم پر عزم الفاظ کا حقیقی احترام ہے۔ ہمیں زندگی کے ہر شعبہ میں اپنے کا نام شعر و ادب سے محبت ہے اور یہ سب کچھ ہم علم کی سچائی کو حاصل کئے بنا کبھی بھی حاصل نہیں کر سکتے۔(4)

عطاشاد کی زندگی میں جو چیز سب سے اہم تھی وہ اُن کی سر زمین سے محبت تھی، وہ اس کی خوبصورتی اور دلکشی کو اپنے شاعری میں بہت ہی خوبصورت انداز میں سامنے لائے۔ شاعری میں بہت سی اصناف بعد میں آئیں۔ مثلاً ہائیکو، تروینی اور کئی دیگر اصناف جن کو عہد حاضر کا شاعر بیان کر سکتا ہے۔عطا(عطاشاد) کے زمانے میں غزل اور نظم پر زیادہ زور رہا۔

"عطاشاد نے اپنے تجربات کے اظہار کے لئے نئے سانچے تلاش کئے جو محض نئے الفاظ کی تلاش ہی نہ تھی۔ بلکہ اظہار کی نئ صورتوں کی تلاش ان کے پیش نظر رہی۔ ان کے یہاں اظہار کی نئ صورتوں کی تلاش کا رویہ اور ان کا طرز اظہار اپنے دور میں غیر روایتی ہونے کے سبب مشکل اور عام قاری کے لئے تفہیم کا مسئلہ بھی بنا رہااور لوگوں نے اسے جدت کو بدعت سمجھ کر اس کی مخالفت کی۔ لیکن عطاشاد نے جلد ہی جدیدیت کے علم

بر دار کے طور پر خود کو منوالیا۔ عطاشاد نے ہی سب سے پہلے الفاظ و تراکیب کو مروجہ زبان و بیان کے سانچوں سے نکال کر پر اسرار رومانی تلازمات کا ایک نیا نظام وضع کیا اور یہ روانی تلازمات اپنے اندر کئی جہتیں اور پرتیں لئے ہوئے نظر آتی ہیں۔ ان جہتوں، پرتوں اور تہہ در تہہ ذاتی اور شخصی علامتوں کے پس منظر ہی میں ان کے فکری رجحانات کو سمجھا جاسکتا ہے۔ اور ان کی ذات کے بعض پہلوؤں اور گوشوں تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے ۔ دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ عطاشاد کے ساتھ ایک ذہنی رشتہ قائم کرکے ہی ان کے باطن میں جھانکا جاسکتا ہے۔ کیونکہ عطاشاد کی تمثیلی زبان کو لفظی اور ظاہری سطح پر دیکھنا ممکن نہیں"(5)

عطاشاد کو صرف اور صرف اردو یا بلوچی کے ادباءنے نہ صرف سراہا بلکہ بلوچستان میں بولی جانے والی دیگر زبانوں کے ادباءنے بھی اُن کو بہترین الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔ یوں تو یہ فہرست طویل ہے مگر یہاں پشتو زبان کے نامور ادیب عبدالکریم بریالے کے عطاشاد کو پیش کئے گئے خراج تحسین کے الفاظ کو یہاں شامل کیا جارہا ہے۔ وہ "عطاشاد.... اردو شاعری کا سنگ زادہ" کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

"عطاشاد کو سنگ زادوں کا شاعر کہنا چاہیے۔ پہاڑ، موسم، چلچلاتی دھوپ، سائبان کی تلاش اور شعور سے بھرپور پہاڑ، چشمِ دیار اور کوچ کا عالم.... جس میں کوہ کا کرب اور سالوں کا نوحہ اور حقیقی فطرت کی ترجمانی ہے، جس میں خارجی اور داخلی دنیاؤں کی باتیں ہیں، جس میں محبت، جستجو، طلب، موم کا مکان، شر رخانۂ امکان، بلا کشانِ نظر، قصیہ خود مطلب اور موج ہائے صدا جیسی تراکیب، انسان کے اندر کی کیفیات کو خوبصورت صناعی سے مزین کئے ہوئے ہیں۔ جس سے ان کی پہچان بخوبی ہوتی ہے۔ الیکٹرانک میڈیا نے گذشتہ پچیس سالوں سے یہ کام آسان بنا دیا کہ سیمیں پردے پر شاعری کا ابلاغ ہو جاتا ہے ۔ اکثر شخصیات چند سالوں میں ذہن سے اُتر جاتے یہیں۔ لیکن "سنگاب" کا شاعر عطاشاد اپنی شاعری کی وجہ سے اپنا مقام پا گیا ہے"(6)

کوئی بھی شخص اُس وقت تک اپنے شعبہ میں وہ مقام حاصل نہیں کر سکتا جب تک اُسے اپنے شعبہ یا فن سے انتہا کی حد تک محبت اور لگاؤ نہ ہو۔ اگر یہ چیزیں کسی بھی شخص بھی پائی جائیں تو وہ شخص اپنے آپ کو اپنے کام کے ذریعے دنیا جہاں میں منوا سکتا ہے اور جب ہم شاعری کی تاریخ کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں تو شاعری، ساقی و میخانہ اور جام و مینا کے بغیر ادھوری قرار پاتی ہے

۔مے کشی کو صوفی شعرائے کرام نے حقیقی معنی میں عرفان الٰہی کے استعارہ کے طور پر اپنی شاعری کا حصہ بنایا اور روایت شاعری خصوصاً غزل میں مے و مہ کشی کے استعارات اس کیفیت کے معنوں میں مستعمل رہے ہیں۔ جس کے دوران شاعر زندگی میں اپنے ارد گرد پھیلے ہوئے حالات اور مناظر سے ذہنی طور پر کٹ کر جمالیاتی رنگوں کی حسین دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔ اشعار کے پھولوں کا گلدستہ مرتب کرتا ہے۔ شعر و سخن اور مے کشی کا استعارہ استعمال کرنے والوں میں کسی کا نام لے کر کچھ کہنے یا لکھنے کی انتہا نہیں رہ جاتی کہ شعر و سخن اور شاعری کا ہر ماہر اس سلسلے میں کئی معرکوں اور کامیابیوں سے اچھی طرح آگاہ ہے۔

عطاشاد کے زمانے کے شعراءعطاشاد کو شعر سخن میں مے نوشی کے جانبازوں میں شمار کرتے ہیں۔اس سلسلے میں اُن کی شاعری کا ذکر تحریر کے اختتام پر کریں گے۔

> ”مے کشی، جام و مینا، رند و ساقی اگرچہ ایک طرف شاعری کی خوبصورت اصطلاحات ہیں تو دوسری طرف یہ زندگی کی تلخ اور اٹل حقیقت بھی ہیں جس طرح زہر کا علاج تریاق سے ممکن ہے اسی طرح زندگی کے تلخ حقائق کے کرب سے نجات تلخ آب کے ذریعے ممکن ہے۔ اور عطا اپنی زندگی میں ہزاروں نہیں تو سینکڑوں تلخ تجربات اور حقائق سے نبرد آزما رہا تھا۔ اس لئے تلخ آب نے ایک طرح عطا کی زخم زخم روح کو مرہم فراہم کیا تو دوسری طرف اس کی شاعری کو جمالیاتی اور فکری حسن بخشا اور عطا کی شاعری کو محض حسن اور دلفریب الفاظ کا مجموعہ بننے کی بجائے زندگی کی حقیقتوں سے قریب تر کر دیا ہے۔“(7)

عطاشاد نے کس طرح اور کس نفسیاتی پہلوؤں سے اپنے معاشرے کی مدد کی کس طرح کوہساروں، چشموں اور برف، موسموں کا خمار اور دیگر دلچسپ اور انسانی دلچسپی کے معاملات پر اشعار کے ذریعے بیان کرکے امر ہوگئے۔ عطاشاد کو کوہساروں کا شاعر بھی کہا جاتا تھا۔ اور اُن کی شاعری میں اپنے کوہ و دمن سے محبت اور ان کی انسانوں کو اپنے دامن میں جہاں پناہ دی وہیں ان کوہ و دمن سے آج تک انسان اپنے جسمانی اور روحانی علاج کا بھی کام لیتا رہا ہے۔ ان میں بہتے چشمے اور ٹھنڈا پانی اور بہار کے موسم میں ان پہاڑوں میں مختلف قدرتی جڑی بوٹیاں اپنی خوشبو پھیلاتی ہیں تو انسان محو حیرت کا شکار ہو کر ان جڑی بوٹیوں کو جانداروں کے بجائے خود بھی اپنے علاج کے لئے استعمال میں لاتا ہے۔ حکیم بلوچ عطاشاد کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

عطا کوہساروں کی مانند بلند و بالا ارفاعات کو چھو لینے کے متمنی تھے۔ شاید اس لئے "کوہ کاب" ابتدائے سخن کا ایما بنا۔ یعنی اسی کے مجموعہ کلام میں پہلی نظم کا یہی عنوان ہے اور وہ یوں کہتے ہیں۔

یہ چشمے کے پانی میں کیسا غبار آ گیا ہے

گزرتے ہوئے کاروانوں کی یادیں

جلے پتھروں پر

ٹھہرتی شبوں کی، یہ کیا راکھ لکھ کر گئی ہیں

شکستہ طنابوں پہ خیموں کی تحریر کیا تھی

پڑھی بھی نہ جائے، سنی بھی نہ جائے

وہ بوڑھی زبانوں کی مشفق کہانی تھی کیا

نقش جن کے ہواؤں نے کملا دیئے ہیں(8)

افضل مراد کی جانب سے کلیات عطا شاد جسے انہوں نے "جب نیند ورق الٹے گی" میں الگ الگ ادباء اور شعراء کی جانب سے اُن کی شخصیت و فن کا ذکر کیا ہے۔ اس سلسلے میں پروفیسر مجتبیٰ حسین "فن عطا شاد کے ساتھ ایک سفر" کے عنوان سے تحریر کرتے ہیں۔

"عطا شاد کے کلام کے مطالعے نے مجھے جہاں پہنچا دیا، عجیب و غریب کیفیت اور عالم تھا۔ شدید گرمی، شدید سردی بدن کو کاٹتی ہوئی، لباس کی بے لباسی کو عریاں کرتی ہوئی یخ ہوائیں، باد موسم کے تند و تیز اندھا کر دینے والے تھپیڑے کبھی سر سے پاؤں تک سورج ہی سورج.... کبھی طلوع نہ غروب، حبس ایسا کہ آدمی خود کو بے گلو محسوس کرے، شور ایسا کہ جیسے سارے پہاڑ بول پڑے ہوں، گونج رہے ہوں، چاندنی کبھی ہجر کبھی وصل.... دن کبھی کوچ کبھی قیام.... دریا، پہاڑ، صحرا ویرانے، وادیاں، پھول ہی پھول، کانٹے ہی کانٹے....

قافلے، خیمے، مدھم روشنیاں.... اور پھر شہر،.... ہوٹل، کیفے "قہوہ خانے، جگاتی، جاگتی سڑکیں، دفاتر، تھانے، حوالات محبتوں کے "شہ مرید" محبتوں کے خریدار سرداروں کے سردار میر چاکر خان رند، "ہانی" نفرتوں اور انتقام کے خنجر اور ریوالور"(9)

انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ کسی چیز کی امید، آس یا خواہش کرتا ہے تو اس کے لئے دن رات ایک کرکے اپنا حصول ممکن بناتا ہے لیکن جب وہ مل جاتا ہے۔ تو ایسے عالم کو عطاشاد کے شاعری میں یوں سمجھ سکتے ہیں

چند کلیاں نشاط کی چُن کر

مدتوں محو یاس رہتا ہوں

تیرا ملنا خوشی کی بات سہی

تجھ سے مل کر اداس رہتا ہوں

(یا)

دوسری صورت میں انسان سب کچھ حاصل کرنے کے باوجود جب اپنے ارد گرد دیکھتا ہے مشاہدہ کرتا ہے اور جاننے کی کوشش کرتا ہے تو بہت سارے واقعات اور عوامل ایسے ہوتے ہیں جن کو انسان سمجھ کر اُس سے اکتا جاتا ہے اور بعض اوقات تو انسان اس حد تک تقسیم اور معاشرتی ناہمواریوں کا شکار ہو جاتا ہے کہ شاعر (عطاشاد) بیان کرتا ہے۔

اک وہی تو ایسا

متاع بے بہا تھا

اک وہی تھا

جو ابھی نہیں بکا تھا

تم نے اسے بھی روند ڈالا

تم نے اسے بھی بیچ کھایا

اس نقد گہہ خرید میں تو اے شاد

لے دے کے

ضمیر رہ گیا تھا"(10)

اگر ضمیر جیسی شے یا حسن اگر انسان میں نہ ہو تو وہ انسان نہیں حیوان رہ جاتا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض ضمیر فروش اپنے ذاتی فائدے کے لئے نہ صرف حیوانات کو بلکہ انسانوں کو بھی استحصال اور حق تلفی کا شکار بناتے ہیں۔ مگر ضمیر کی عدالت میں مقدمہ برسوں اور نسلوں تک نہیں چلتا بلکہ پلک جھپکتے ہی فیصلہ آجاتا ہے۔ درج ذیل عطاشاد کی شاعری کا جائزہ ہیں۔

گلِ دہن کا نشہ، بوئے پیرہن کا نشہ

مہک رہا ہے چمن میں ترے بدن کا نشہ

وہ تشنہ ہیں کہ سمندر سے بھی نہ ہوں سیراب

مگر یہ جرعہ شفاف، جان و تن کا نشہ(11)

یا

تری ظلمت کے نشے نے کس کا دیا بجھا دیا تھا

آگ اک کٹیا سے کیا بھڑکی شہر کا شہر چراغاں ہے(12)

مذکورہ بالا اشعار اپنے معنی اعتبار سے ایک گہری معنویت رکھتے ہیں۔ مگر بعض لوگ ظاہری معنی کو سمجھنے سے قاصر نظر آتے ہیں۔ یوں تو اظہار سے محروم، سننے سے محروم اور بینائی سے محروم افراد بھی دنیا میں زندہ ہیں اور ہر کوئی اپنی محرومیوں کو الفاظ کا

روپ دے چکا ہے۔ مگر کچھ فنکار اور ہنر مند ایسے ہوتے ہیں کہ وہ کچھ لوگوں سے بالکل بھی بات نہیں کرنا چاہتے کیونکہ ان کے باتوں اور تحریروں کا ایسے اشخاص پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ایسی صورت میں بہت سے ماہر ایسی ہنری کا ثبوت دیتے ہیں کہ سمجھنے والے سمجھ جاتے ہیں اور نا سمجھ ہمیشہ ہی نا سمجھ رہتے ہیں۔ عطاشاد کی اسی طرح کی ہنری مندی کو واحد بزدار اپنی کتاب "فکر و فن" میں بیان کرتے ہیں۔

"عطاشاد کی شاعری کو سمجھنے کے لئے اس کی زبان کو سمجھنا ہو گا۔اس کی زبان ہزاروں برس پرانی اشکالی زبان (Hieroglaphic) کی طرح پر اسرار ہے۔ اس کے الفاظ کی اپنی معنویت ہے ۔ ہر علامیہ (Symbol)اس کا اپنا وضع کردہ علامیہ ہے۔اس کے لئے سنجیدہ مطالعہ کی ضرورت ہے۔ جس میں تین عناصر ضروری ہیں۔ عطا کی حالات زندگی، بلوچستان کی تاریخ، سماجی، معاشی دباؤ اورانتظامی کاروائیاں۔ عطا کا صرف ایک ہی شعر

کوہساروں کی عطا رسم نہیں خاموشی

رات سو جائے تو بہتا ہوا چشمہ بولے(13)

اب جب کہ سمجھ اور شعور کی بات چلی ہے تو اب اس تحریر کے آخر میں عطاشاد کی شاعری کو شامل کیاجارہا ہے تاکہ جو عطاشاد کو اب تک نہیں پڑھ سکا، جان نہ سکا تو وہ اس مختصر سی تحریر میں عطاشاد کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ عطاشاد کو سمجھنے کے لئے اُس کے معروضی حالات، بلوچستان اس کے باسیوں اور تاریخ سے واقفیت اور بالخصوص الفاظ کے استعمال کو سمجھنے کے لئے انسان کو خود بھی گہرائیوں میں جانا پڑے گا غوطہ زنی کرنا پڑے گی تب جا کر سیپ اور موتی دسترس میں آجائیں گے۔

ہم کہ منتظر سحر ہیں

مگر سحر کہاں ہے؟

ہر سمت برس رہی ہے

تیری یادوں کی برکھا

خاک منزل کی سوغات حد نگاہ سے پرے ہے

ہم اپنے خارِ مغیلاں کے جلتے انگارے

اجنبئ وطن نا آشنا کہاں ہے

فراق کا درد ہو تم

میں دل کی خلش ہوں۔

آ کہ موجِ خیال کی لاش کو

ناتواں کندھوں پہ اٹھالیں

صدیوں کی اُمیدِ موہوم کے بوجھ کو

کمزور بازؤں میں سمیٹیں

انتظار کے بار گراں کو سر پہ اٹھالیں۔

یا

یہ ڈھلتی شام کے سر سراتے سائے

میں نہ جانوں

کس ویراں شب کو جلا کر

لاکھ کے ڈھیر میں بدل دیں

دل کو آگ لگا دیں

ہزار رنج ہیں، ہزار زخم ہیں، ہزار غم ہیں

ہزار لمحاتی دائرے ہیں۔"(14)

عطاشاد بہ یک وقت شاعر، لکھاری اور فنکار تھے۔ انہوں نے اپنے اشعار کے ذریعے معاشرے کی استحصالی قوتوں کو بے نقاب کیا

زندوں کے لئے یہ جہاں رنگ و روشنی کا آئینہ ہے

مردوں کے لئے شب و روز دونوں ایک جیسے ہیں

ظلمت پرستوں کے لئے دن ہے بے معنی شب ہے بے مقصد

روشنی کے بیداروں کے لئے شب و روز ایک جیسے ہیں

عطا ہمارے ہاں بہرے اور کور چشموں کی فرمانروائی ہے

کس کو کہوں، کس کا نام لوں، شب و روز دونوں ایک جیسے ہیں(15)

....

نتائج

ہم یقیناً یہ کہہ سکتے ہیں آج جب عطاشاد جسمانی طور پر ہمارے درمیان نہیں مگر اُن کی شاعری زبان زد عام ہے۔ لوگ اپنے بچوں کا نام عطا یا شاد رکھ رہے ہیں۔ بہت سے شاعر اور ادباء اپنے لئے شاد کا تخلص پسند کر رہے ہیں۔ بلوچستان کے لوگوں کو اپنی جغرافیہ، زبان، ثقافت، تہذیب و تمدن اور تاریخ سے لگاؤ ہونا چاہئے یہ اس حد تک ہو کہ درسی کتب، ادبی، تخلیقی اور دیگر موضوعات پر شائع ہونے والے کتابوں میں نہ صرف اُن شخصیات کا ذکر کر کے انہیں زندہ رکھنے کی ذمہ داری اپنائی جائے بلکہ اُن کی کوششوں اور جدوجہد کو آگے بڑھانے اور اس کو نئی جہت دینے کے لئے اُن سے زیادہ سے زیادہ آگاہی اور معلومات کو اکٹھا اور یکجا کر کے نئی نسل اور پوری دنیا کو ان تک رسائی فراہم کی جائے۔

کوئٹہ اور بلوچستان کے مختلف اضلاع اور علاقوں میں عطاشاد کے نام سے شاہراؤں کو منسوب کیا گیا، اسکول، کالج، یونیورسٹی اور لائبریروں کا افتتاح ہوا۔ اسی طرح کے اقدامات کسی بھی شخصیت کی خدمات کا اعتراف کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔ عطاشاد کی شاعری (بلوچی، اردو) کے کتابوں کی مزید ایڈیشن کا اہتمام کیا جائے اور نئی دستیاب مواد کو ان میں شامل کر کے ہم یہ قومی فرائض بہ احسن خوبی انجام دے سکتے ہیں۔

....

حوالہ جات

1۔ بلوچ، حکیم، شبیہ شاد، قلات پبلشر (اشاعت دوئم)2003 ، ص،35

2۔ مینگل، حلیم، ''آواز کے سائے''، پاکستان رائٹرز گلڈ بلوچستان، 2021ء، ص،14 تا15

3۔ حسرت، راشد، قادر، بصیر، عزیز عارف آدینک، بلوچستان اکیڈمی تربت، 2016، ص،227

4۔ داد، اے آر، عبدالصبور، ڈاکٹر، من پہ مرگ گارنباں، شعبہ بلوچی، جامعہ بلوچستان کوئٹہ 2015ء ص،75

5۔ بزدار، واحد فکر و فن، بلوچی اکیڈمی کوئٹہ، 2006ء، ص،92 تا93

6۔ قادری، ارشد سلطان، دستگیر (عطاشادنامہ) ناشاد پبلشر زریگل پلازہ کوئٹہ، سن ندارد، ص،43

7۔ مراد، افضل، عطاشاد، شخصیت و فن، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد 2007ء، ص،53 تا54

8۔ بلوچ، حکیم، شبیہ شاد، قلات پبلشر (اشاعت دوئم)2003 , ص،79 تا73

9۔ مراد، افضل ''جب نیند ورق الٹے گی''فیصل بکس کوئٹہ، 2017ء، ص،19

10۔ بلوچ، حکیم، شبیہ شاد، قلات پبلشر (اشاعت دوئم)2003 , ص،79 تا73

11۔ حسرت، راشد، قادر، بصیر، عزیز عارف آدینک، بلوچستان اکیڈمی تربت، 2016، ص،227

12۔ بلوچ، حکیم، شبیہ شاد، قلات پبلشر (اشاعت دوئم)2003 ,ص،160

13۔ بزدار، واحد فکر و فن، بلوچی اکیڈمی کوئٹہ،2006ء، ص،93

14۔ ایضاً، ص،96تا99

15۔ مراد، افضل، عطاشاد، شخصیت و فن، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد2007ء، ص،104